باب۔ ۱۳

ترجمہ

فص لوطیہ

حکمت ملکیہ

ملک کے معنی شدت اور سختی کے ہیں۔ اور ملیک کے معنی شدید اور سخت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے، "ملکت العجین" (یعنی) جب کہ تم نے اس کو سخت رکھا۔ قیس بن حطیم اپنے نیزہ مارنے کی صفت بیان کرتا ہے:

ملکت بھا کفّی فانھرت فتقھا یریٰ قائم من دونھا ما ورائھا
میں نے اس نیزے کو بڑی قوت سے پکڑا، پھر اس کے زخم کو نہایت کشادہ کیا
اس زخم کے سامنے کھڑا رہنے والا اس شئے کو دیکھ لیتا ہے جو اس زخم کے پیچھے ہے

اللہ تعالیٰ کا لوط علیہ السلام کے قول کو بیان کرنا، (اوپر ذکر کیے گئے) اسی محاورے کے مطابق ہے۔۔۔ کاش مجھ میں قوت ہوتی کہ تمھارے مقابل کام لیتا۔ یا میں پناہ لیتا کسی مضبوط ستون کی طرف۔۔۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ میرے بھائی لوط پر رحم فرمائے، وہ تو بڑے زور دار رکن اور ستون کی پناہ میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ لوط علیہ السلام، اللہ کی پناہ میں تھے۔ حضرت لوطؑ کی مراد یہ تھی کہ کاش میرا قبیلہ زور آور ہوتا اور میری تائید کرتا۔ لوطؑ کے قول، لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً، (یعنی) کاش تمھارے مقابل مجھے قوت ہوتی، (ھود: ۸۰)، سے مراد، زور، ہمت، قوت اور توجہ و ارادہ ہے، جو ایسی حالت میں خاص کر انسان سے ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس زمانے سے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ کہا، أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ، [(یعنی) یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا، (ھود: ۸۰)]۔ کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا اس کے بعد مگر اپنی قوم کے لشکر و طرفداروں میں۔ لہٰذا ہر نبی کی حمایت اس کا قبیلہ کرتا تھا، جیسے ابو طالب، حضورؐ کے چچا (جنھوں) نے حضورؐ کی حمایت کی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا فرمانا کہ کاش مجھ کو تمھارے مقابل قوت ہوتی، اس لیے تھا کہ حضرت لوطؑ نے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا کہ وہ فرماتا ہے، اللَّـهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ، (یعنی) اللہ ہی نے تم کو تمھارے ضعفِ اصلی {عدم ذاتی} سے پیدا کیا، (الروم:۵۴)۔ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً، (یعنی) پھر اس ضعف اصلی کے بعد {اپنے اسما کا پر تَو ڈال کر} قوت عطا کی، (الروم:۵۴)۔ اور یہ قوت خلق و جعل کی وجہ سے ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ قوت بالعرض اور عارضی ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً، (یعنی) پھر اس قوتِ عارضی کے بعد ضعف و بڑھاپا دیا، (الروم:۵۴)۔ یہاں دینے اور پیدا کرنے کا تعلق بڑھاپے سے ہے، اور ضعف تو اس کے لیے اصلی ہے۔ وہ دیا نہیں جاتا، بلکہ انسان اپنی اصل خلقت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی خلقت ہی ضعف اصلی و عدم ذاتی سے ہوئی ہے۔ لہٰذا جس ضعف سے کہ وہ پیدا کیا گیا، اُس کی طرف رَد (یعنی لوٹنا) اور رجوع کر دیا جاتا ہے۔

(اسی) طرح ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (یعنی) پھر پھیرا اور رَد (یا واپس) کیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تا کہ علم کے بعد کسی شئے کا عالم نہ رہے، (الحج:۵)۔

غایت معرفت و علم ہے ناداں ہونا
سرمۂ دیدۂ تحقیق ہے حیران ہونا

(اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ شیخ یعنی بوڑھا اپنے پہلے ضعف کی طرف رَد (واپس) کر دیا جاتا ہے۔ پس بوڑھے اور بچے کا حکم ضعف میں ایک ہے۔ یعنی بزبان اعتبار نہ کہ تفسیر۔ انسانِ کامل اپنی عدمیتِ اصلی کو دیکھنے کی وجہ سے بے زوری میں مثل ابتدائی انسان کے ہو جاتا ہے۔

پیغمبر پورے چالیس سال کی عمر کے بعد مبعوث ہوتے (اور) امت کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ یہ وہ عمر، وہ زمانہ ہے، کہ اس میں ضعف و ناتوانی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے ظاہری قویٰ ضعیف ہوتے جاتے ہیں، باطنی قویٰ قوی ہوتے جاتے ہیں۔

پس اسی شکستگی ہمت و ضعف کی وجہ سے لوط علیہ السلام نے فرمایا، لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً، (ھود:۸۰)، باوجود یہ کہ موقع ہمتِ موثرہ کا طالب تھا، مگر چوں کہ انبیا، صاحب قرب فرائض ہوتے ہیں لہٰذا اپنے ارادے سے کوئی حرکت نہیں کرتے۔

اگر تم کہو کہ لوط علیہ السلام کو ہمیشہ (ہمتِ) موثرہ سے کون (سی) چیز مانع ہو رہی تھی۔ حالاں کہ زور، ہمت و قوتِ توجہ تو انبیا کے تابعین کو بھی ہوتی ہے جو ہنوز سالک اور غیر واصل الی الحق ہیں۔۔۔ ہم یہ جواب دیں گے (کہ) لوط علیہ السلام میں قوت و ہمت ضرور تھی مگر تم سے ایک بات کا علم رہ گیا ہے، وہ علم یہ کہ معرفتِ الٰہی تصرف کے لیے ہمت ہی کب چھوڑتی ہے۔ جتنی معرفت زیادہ ہو گی قوتِ تصرف کم ہو گی۔

اس بے ہمتی کی دو وجوہ ہیں:

١۔ ایسا شخص مقام عبودیت میں ثابت قدم رہتا ہے وہ ہمیشہ اپنے عدم اصلی کو دیکھتا رہتا ہے۔

٢۔ انسانِ کامل، متصرف {یعنی تصرف کرنے والے} اور متصرف فیہ {یعنی اس کو جس میں تصرف ہوتا ہے} کو ایک سمجھتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اپنی ہمتِ توجہ کس پر ڈالے۔ اسی لیے یہ علم اس کو تصرف سے مانع ہوتا ہے۔

اس شہودِ احدیت و ذاتِ حق کے مقام میں وہ دیکھتا ہے کہ جس کے لیے نزاع ہے، کشمکش ہے، وہ اپنے عینِ ثابت کے اقتضا سے تجاوز نہیں کر رہا ہے۔ اس نے اپنی حقیقت سے، جو علم حق میں ہے، جس کے لیے ثبوت ہے اور خارج میں موجود نہیں، عدول (یا گریز) نہیں کیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جو کچھ حال عدم و ثبوت {علمی} میں رہتا ہے وہی خارج میں ظاہر و نمایاں ہوتا ہے۔

جس کی جیسی لیاقت ہے   وہی نمایاں ہوتا ہے

پس ہر شخص اپنی حقیقت سے تجاوز نہیں کرتا، نہ اپنے طریقے کو گم کرتا ہے۔ اس کو نزاع و کشمکش کہنا بھی ایک امر عارضی ہے، کہ جیسے لوگوں کی آنکھوں پر حجاب نے نمایاں کیا ہے۔ جس طرح کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ {یعنی} اور لیکن اکثر لوگ {سرّ قدر اور نظام عالم کو} نہیں جانتے۔ وہ زندگانیٔ دنیا کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور وہ آخرت {اور باطنی امور} سے غافل ہیں، (الروم: ٦ اور ٧)۔

غفلت کے مادّے "غفل" کو قلب (یعنی الٹ پلٹ) کرو تو غلف ہوتا ہے، جو غلاف اور پردے کے معنٰی میں ہے۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ وہ کہتے تھے، قُلُوبُنَا غُلْفٌ، (یعنی) ہمارے دل پردوں میں ہیں (البقرۃ: ٨٨ اور النساء: ١٥٥)، جو حقیقی، واقعی اور نفس لامری امر سے مانع اور حائل ہوتے ہیں۔ بہر حال عبدیت کا تقاضا، وحدت کا کھلنا (اور) اعیان و حقائق کے اقتضاءات کا معلوم ہونا (ہے)۔ قرب فرائض کا سلوک (اور) اپنے سر ذمہ داری نہ لینا عارف کو عالم میں تصرف سے مانع ہوتے ہیں۔

ابو عبد اللہ محمدؒ بن قائد نے شیخ ابو السعودؒ بن الشّبل سے کہا (کہ) آپ کیوں تصرف نہیں کرتے۔ تو ابو السعودؒ نے کہا "میں اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے جیسا چاہے تصرف کرنے دیتا ہوں"۔ ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اُس کو اپنا وکیل بناؤ، وکیل ہی تصرف کرے گا۔ ابو السعودؒ نے بالخصوص اللہ تعالیٰ کو سنا تھا کہ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ، (یعنی) جن چیزوں پر تم خلیفہ بنائے گئے ہو اس میں سے خرچ کرو، (الحدید: ٧)۔

ابو السعودؒ نے جان لیا کہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے خود ان کا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں،

امین ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا، یہ چیز جس پر میں نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے اور تجھ کو اس کا مالک بنایا ہے اس میں تُو مجھ کو وکیل بنا۔ ابوالسعودؒ نے امرِ الٰہی پر عمل کیا۔ امتثالِ حکم کیا۔ اور اُس کو اپنا وکیل بنادیا۔

جو شخص اس حقیقت (اور) اس حالت کو دیکھے گا (تو) اس کے لیے ایسا ارادہ و ہمت کہاں رہے گی جس کے ذریعے سے تصرف کرسکتا۔ ہمت تو اس وقت کارگر ہوتی ہے جب پوری دل جمعی سے توجہ کرے۔ اس توجہ کے وقت اپنے مقصود کے سوائے کسی اور خیال کی گنجائش نہ ہو۔ یہ معرفت تو غیر حق کی طرف توجہ کرنے سے روکتی ہے۔ جس عارف کی معرفت تام ہو (پوری ہو)، وہ تو اپنا پورا عجز و قصور ظاہر کرتا ہے۔

بعض ابدال نے شیخ عبد الرزاقؒ سے شیخ ابو مدینؒ کو سلام کے بعد عرض کیا کہ، جناب ابو مدین! ہم پر کوئی چیز دشوار نہیں، جیسا چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں، اور آپ پر بہت سی چیزیں دشوار ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ ہم کو آپ کے مقام کی آرزو و رغبت ہے، اور آپ کو ہمارے مقام کی رغبت نہیں۔۔۔ واقعی حالت ایسی ہی تھی۔ باوجود یہ کہ ابو مدینؒ کے پاس ابدال کا مقام بھی تھا، اور اس مقام کے سوا بھی تھا۔ ہم مقام عجز و ضعف میں شیخ ابو مدینؒ سے یا بدلؒ سے بھی اتم اور زیادہ کامل ہیں۔

اے ذات تو مجمع الکمالات میں بھی ہوں کمال بے کمالی

باوجود اس ضعفِ تصرف کے بدلؒ نے ابو مدینؒ سے کیا کہا۔۔۔! یہ عجز و تصرف ان امور سے ہے جو عبدیت و کمال معرفت اور توحید سے پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام عبدیت، توحید مطلق، فنائے صفات بلکہ ذات کے مرتبے میں بہ امر الٰہی اپنی عاجزی وعدم علم کو ظاہر فرماتے ہیں۔ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ، (یعنی) مجھے معلوم نہیں کہ اللہ مجھ سے کیا کرے گا اور تم سے کیا، میں تو اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جس کی مجھے وحی ہو، (الاحقاف:۹)۔ پس رسول اسی چیز کا حکم کرتے ہیں جن کی وحی ان کو کی جائے اس کے سوا ان کے پاس کوئی حکم نہیں۔ اگر تصرف کا قطعی حکم ہوتا ہے تو (وہ) تصرف فرماتے ہیں۔ اگر تصرف سے ممانعت کی جاتی ہے تو باز رہتے ہیں۔ اور اگر انھیں اختیار دیا جاتا ہے (تو وہ) ترکِ تصرف کرتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ اور دوسرے کاملین کا بھی یہی حال تھا۔۔۔ کثرتِ کرامات، اقتضائے اوقات ہے۔

جو معرفت میں ناقص ہوتا ہے وہ اپنے ارادے سے تصرف کر بیٹھتا ہے۔ ابو سعود الشّبل نے اپنے مریدوں سے کہا (کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھے پندرہ سال سے تصرف عطا فرمایا ہے مگر میں نے ہوشیاری یہ کی کہ اپنے سر ذمہ داری نہ آئے اور ترک تصرف کیا۔ ان کا یہ فرمانا کہ میں نے باختیار تصرف کیا ہے ایک ناز کا کلمہ ہے۔

(دراصل) کمالِ معرفت کی وجہ سے ترک تصرف کیا (جاتا) ہے۔ معرفت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ بہ اختیار ترک تصرف کرے۔ جب عارف اپنی ہمت و قوتِ ارادی سے عالم میں تصرف کرتا ہے (تو صرف) امر الٰہی و جبر سے۔۔۔ نہ کہ اختیار سے۔

بلا شک، مقام رسالت، طالبِ تصرف ہے تاکہ جو دین رسول لایا ہے اس کو لوگ قبول کریں۔ لہٰذا رسول ایسے معجزات دکھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنی امت و قوم کے پاس صادق مانا جاتا ہے اور دینِ الٰہی کو ظاہر و غالب کر دیتا ہے۔ ولی، مثلِ رسول کے نہ صاحب دین ہے نہ صاحبِ تبلیغ (اور) نہ صاحبِ معجزات۔ ولی اپنے نبی کا تابع ہوتا ہے۔ اس سے بھی کرامات صادر ہوتے ہیں، مگر معجزات، نبی ہی کو کافی وافی ہوتے ہیں۔

باوجود یہ کہ عالم میں تصرف کرنا اور خوارق عادات دکھانا، رسول کی شان سے ہے، مگر وہ بھی ظاہری معجزات کو طلب نہیں کرتے۔ کیوں کہ رسول کو اپنی امت پر شفقت اور ان سے محبت رہتی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ حجۃ اللہ، امت پر قائم ہو جائے اور ظاہر بظاہر معجزات نمایاں ہوں، کہ ظہورِ حجت کے بعد عذاب آتا ہے۔ اور اس میں بربادی ہے۔ لہٰذا رسول ان پر رحم کرتے ہیں اور پردے کو باقی رکھتے ہیں۔

رسول کو یہ بھی معلوم ہے کہ معجزہ جب کسی جماعت کے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو لوگ کئی قسم کے ہو جاتے ہیں۔ بعض تو ایمان لے آتے ہیں اور بعض باوجود جاننے کے ہٹ دھرمی سے انکار کرتے ہیں، اور ظلم و تکبر و حسد کے مارے تصدیقِ رسول نہیں کرتے۔ بعض معجزے کو سحر و شعبدہ سمجھتے ہیں۔ رسولوں نے یہ امر دیکھ لیا کہ وہی ایمان لاتا ہے جس کے دل کو اللہ نے نورِ ایمان سے منور کیا ہو۔ جب آدمی اُس نور سے نہ دیکھے جس کو 'ایمان' کہتے ہیں تو معجزہ اس کو کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ لہٰذا معجزات طلب کرنے میں رسولوں کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ معجزات کا اثر نہ ناظرین پر پڑتا ہے نہ دلوں پر۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اکملِ رسل، اعلم خلق، سب سے زیادہ اصدق الحال والقال (یعنی محمد مصطفیؐ) کے حق میں فرماتا ہے، إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّـهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ، (یعنی) {اے رسول کریم} تم جس کو چاہو ہدایت نہیں کر سکتے، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے، (القصص:۵۶)۔ اگر ہمت و ارادے کا کوئی ضرور فائدہ ہوتا تو بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کامل، زیادہ اعلیٰ اور زیادہ قوی ہمت کون ہوتا۔ حضورؐ کا ارادۂ اسلام ابی طالب میں کیوں موثر نہ ہوتا۔ ابو طالب ہی کے حق میں وہ آیت اتری ہے جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے رسول کے حق میں فرمایا کہ "رسول کا کام سوائے تبلیغ کے اور کچھ نہیں"۔ اور فرمایا "تم پر ان کی ہدایت اور مسلمان کر ہی لینا واجب نہیں، مگر خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے"۔

(اللہ تعالیٰ) سورۃ القصص (آیت:۵۶) میں اس سے زیادہ فرماتا ہے، [وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ، (یعنی)] وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی حالِ عدم میں، موجود فی الخارج ہونے سے پہلے اپنے اعیان ثابتہ کے ذریعے سے معلوم کر دیا تھا کہ وہ قابلِ ہدایت ہیں۔ حق تعالیٰ نے یہ بھی ثابت کیا کہ علم الٰہی تابعِ معلوم ہے۔ جو چیز جیسی ہو گی

ویسا ہی اس کا علم ہو گا۔ جو شخص اپنے عین ثابتہ میں اپنی حقیقت کے لحاظ سے، حالِ عدم میں، قبل وجودِ خارجی مومن تھا تو اس عین ثابتہ کے مطابق، صورت میں، بحال وجودِ خارجی ظاہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کہ وہ ایسا ہو گا۔ اسی لیے فرمایا، "وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے"۔ جب اس طرح فرمایا تو یہ بھی فرمادیا (کہ) "میرا قول میرا حکم بدلتا نہیں"۔۔۔ (اور) "خلق کی فطرت (اور) طبیعت کے متعلق میرا جیسا علم ہو گا ویسا ہی اس کو ظاہر کروں گا {موجود فی الخارج کروں گا}"۔۔۔ (اور) "میں اپنے بندوں پہ کچھ بھی ظلم نہیں کرتا"۔۔۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں نے ان پر کفر مقدر کیا ہو جو ان کو شقی و بدنصیب بنادے۔ پھر میں نے ان سے ایسے کام کا مطالبہ کیا ہو جو ان کی قوت و وسعت میں نہ ہو۔ بلکہ ہم نے وہی معاملہ کیا جس کا ہم کو علم ہوا، اور ہم نے ایسا ہی جانا جیسا کہ وہ خود تھے اور جیسا انھوں نے اپنا علم کرایا۔ یعنی ہم نے اسی کو کافر پیدا کیا جس کو ہم کافر سمجھتے تھے اور ہم نے اسی کو کافر سمجھا جو اپنی حقیقت عین ثابتہ کے لحاظ سے کافر تھا۔ اگر ظلم ہے تو وہ خود ظالم ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے، "مگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اور اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا"۔

ہم نے ان کو کافر نہیں کہا مگر، بہ اقتضا ان کی ذات کے، ان کو کافر کہیں۔ ہماری ذات مع جمیع صفات کے ہم کو معلوم ہے کہ کیا کہیں، کیا نہ کہیں۔ ہماری حکمت و محبت کا تقاضا ہے کہ ان کو تبلیغ کریں۔ سن کر ماننا، نہ ماننا ان کا کام ہے۔

فالکل منّا و منهم　　　والاخذ عنّا و عنهم

دنیا میں جو کچھ ہے وہ ہمارے اور ان کے لحاظ سے ہے، احکام کا قبول کرنا بھی ہمارے اور ان کے لحاظ سے ہے
جیسی کسی کی حقیقت ہو گی ویسا ہی حکم ہم لگا دیں گے، ویسا ہی وہ نمایاں ہوں گے

ان لا یکونوا منّا　　　فنحن لا شکّ منهم

اگر یہ خود کو ہم سے جدا سمجھتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے، کیوں کہ ان کا وجود ہم سے ہے
مگر ہم ان سے خود کو دیکھتے ہیں، مظاہر ہی سے ظاہر کا ظہور ہوتا ہے

میرے دوست! اس حکمت ملکیہ، کلمہ لوطیہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا یقین کرو، کیوں کہ یہ خلاصۂ معرفت ہے۔

فقد بان لک السّر و قد اتضّح الامر
و قد ادرج فی الشفع الذی قیل ھو الوتر

سرّ قدر ظاہر ہو گیا، نفس الامر واضح ہو گیا اور کثرت میں وحدت داخل ہو گئی۔ عالم میں حق کے جلوے ہیں۔ ہر جفت میں واحد ہوتا ہی ہے۔ اعداد کا دارومدار واحد ہی پر ہے۔